پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

بچوں کا اسلام

ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

1039

اتوار 17 ذی الحجہ 1443ھ
مطابق 17 جولائی 2022ء

قربانی

اللہ پر بھروسا کرو!

القرآن

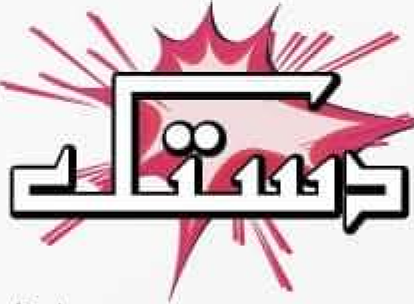
اے (اللہ کے) نبی! آپ فرما دیجیے کہ ہم پر کوئی حادثہ اور مصیبت نہیں آتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے مقدر فرمایا ہے، وہ اللہ ہمارا مالک ہے اور چاہیے کہ تمام مسلمان اس پر بھروسا کریں اور اپنے تمام کام اسی کے سپرد کریں۔ {سورۂ توبہ: 51}

گھر سے نکلتے وقت کی دعا

الحدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب کوئی شخص کسی مقصد کے لیے اپنے گھر سے نکلتا ہے اور یہ دعا پڑھتا ہے: بسم اللہ توکلت علی اللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ! تو ایک فرشتہ کہتا ہے کہ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا، اور شر سے محفوظ ہوگیا۔“ {ابوداؤد}

ابتدائی طبی و غیر طبی مہارتیں



السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آج ۱۷ جون ہے۔ صبح سے میڈیا پر ایک اچھی خبر چھائی ہوئی ہے کہ ایک سیاح جوڑے نے گلگت بلتستان میں واقع نلتر جھیل میں ڈوبنے والے ایک بچے کو ابتدائی طبی امداد کے ذریعے بچالیا۔

یہ تھیں ڈاکٹر قراۃ العین اور ان کے شوہر جناب اسرار، جنھوں نے جھیل میں ڈوبنے والے بچے کو موقع پر سی پی آر کے ذریعے بچالیا۔

اس پر اہلِ علاقہ نے اس جوڑے کو خراجِ تحسین پیش کیا اور اب سنا ہے کہ مقامی حکومت انھیں ایوارڈ سے بھی نواز رہی ہے۔

بہت خوب! پذیرائی ہونی بھی چاہیے، لیکن فرض کیجیے کہ اگر یہ میاں بیوی اس وقت جھیل پر نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟

ظاہر ہے بچے کو طبی امداد نہیں ملتی اور ایک قیمتی کلی کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جاتی......!

تو قارئین! سی پی آر اور اسی طرح کی مزید ابتدائی طبی مہارتیں ایسی نہیں ہوتیں، جن کے سیکھنے کے لیے میڈیکل ڈگری کا ہونا ضروری ہو۔ ڈاکٹر یا طبی عملہ ظاہر ہے، سب جگہ نہیں ہوسکتے، لیکن یہ طبی مہارتیں اگر ہر شہری نے سیکھی ہوں تو موقع پر موجود کتنی ہی قیمتی جانیں بچ سکتی ہیں۔

اب مثلاً اسی طریقے (سی پی آر) کو دیکھ لیجیے۔ یہ ایک تکنیک ہے جو کوئی بھی کچھ گھنٹوں یا دنوں میں سیکھ سکتا ہے۔ اس تکنیک میں سینے پر دباؤ ڈال کر اور منہ سے منہ جوڑ کر سانس کی بحالی کا عمل کیا جاتا ہے تاکہ بے ہوش مریض کا سانس بحال ہوجائے۔

اب اس سی پی آر کی ضرورت کسی کو بھی کسی بھی وقت پیش آسکتی ہے، مثلاً کسی کو اچانک دل کا دورہ پڑا ہو تو اس تکنیک کے ذریعے اسپتال پہنچنے سے پہلے مریض کا دورانِ خون اور سانس بحال کرنے میں مدد ملتی ہے۔

اسی طرح کوئی ڈوب گیا ہو، کسی کا دَم گھٹ رہا ہو یا بجلی کا جھٹکا لگ گیا ہو۔

درج بالا تمام ایسی ایمرجنسیاں ہیں، جن میں منٹوں میں نہیں، لمحوں میں حرکت میں آنا پڑتا ہے۔ ہر ہر لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔ ایسے میں بغیر کسی فوری ابتدائی طبی مدد کے اسپتال تک پہنچانے کے لیے ایمبولینس کا انتظار گویا دوسری دنیا میں پہنچانے کے مترادف ہوتا ہے۔

اس کے برعکس موقع پر موجود کسی شخص کو اگر یہ تکنیک آتی ہو تو وہ سی پی آر کے ذریعے مریض کی سانس بحال کرسکتا ہے۔ اس طرح دماغ اور ضروری اعضا کو خون کی رسد شروع ہوجاتی ہے۔ یوں اسپتال پہنچنے تک کا وقت مل جاتا ہے اور ایک قیمتی جان ضائع ہونے سے بچ جاتی ہے۔

سی پی آر ہی کی طرح ابتدائی طبی امداد میں ایک اور طبی مہارت (Heimlich Maneuver) ہے، جسے مختصراً چوکنگ (Choking) بھی کہا جاتا ہے!

یہ بھی بہت ہی ضروری طبی مدد ہے جو ہمارے بچے بچے کو آنی چاہیے۔

دراصل کھانا کھاتے ہوئے گلے میں یا سانس کی نالی میں کھانے کا کوئی ذرہ پھنس جاتا ہے، جو عموماً کھانا کھاتے ہوئے بات کرنے اور ہنسنے سے ہوجاتا ہے۔ (تبھی کھانا کھاتے ہوئے سلام کا جواب دینا بھی واجب نہیں، چہ جائیکہ ہم ایران توران کی باتیں کرتے ہیں!)

جب ایسا ہوجائے، جسے عرفِ عام میں اچھو لگنا بھی کہتے ہیں تو کبھی بڑی ایمرجنسی بھی بن جاتی ہے۔

دَم گھٹنے لگتا ہے، چہرہ سرخ ہوجاتا ہے، زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہیں ہو پاتا۔

اس وقت اگر پاس موجود اہلِ خانہ یا دوستوں میں سے کسی کو (Choking) کی سادہ سی تکنیک آتی ہو یا مبتلا کو خود ہی سیلف چوکنگ آتی ہو تو مسئلہ لمحوں میں حل ہوجاتا ہے، ورنہ جان جاتے دیر نہیں لگتی۔ (بقیہ اگلے ہفتے)

والسلام محمد فیصل شہزاد

مُختصر پُراثر

اقوالِ زریں:

☆ حق پر استوار رہو، خواہ یہ تمھارے نفس کے خلاف ہو۔ (حدیث نبوی)

☆ جو شخص امام ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ صرف اپنے لیے دعا کرے۔ (حدیث نبوی)

☆ گناہ جوان کا بھی اگرچہ بد ہے، لیکن بوڑھے کا بدتر ہے۔ (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

☆ انسان صوم وصلوٰۃ سے نہیں بلکہ معاملات سے پہچانا جاتا ہے۔ (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

☆ ظالموں اور ان کے متعلقین سے معاملہ مت کرو۔ (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

☆ جو شخص اپنے ہر کام کو پسند کرتا ہے، اس کی عقل میں نقصان آجاتا ہے۔ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (محمد اقراش عاصم۔خوشاب)

باقی:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ گھر کے لوگوں نے ایک بکری ذبح کی (اور اس میں سے تقسیم کر دیا)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کتنا باقی رہا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ صرف ایک شانہ باقی رہ گیا (باقی سب تقسیم ہو گیا)۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وہ سب باقی ہے اس شانے کے سوا۔'' (ترمذی)

مقصد یہ ہے کہ جو اللہ کے لیے خرچ کر دیا گیا وہ حقیقت میں باقی ہے کہ اس کا دائمی ثواب باقی ہے اور جو رہ گیا وہ فانی ہے۔ نہ معلوم باقی رہنے والی جگہ خرچ ہو یا نہ ہو۔ (محمد بن حذیفہ۔حیدر آباد)

منتقل:

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مال کو اللہ کے راستے میں بڑی کثرت سے خرچ کرتے تھے۔ ان کی والدہ اور بھائیوں نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی شکایت کی کہ یہ سب کچھ خرچ کرنا چاہتے ہیں' ہمیں ڈر ہے کہ یہ چند روز میں فقیر ہو جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے حضرت سہل رحمہ اللہ سے دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ ہی بتائیں کہ اگر کوئی مدینہ طیبہ کا رہنے والا رُستاق میں (جو ملک فارس کا ایک شہر ہے)



زمین خرید لے اور وہاں منتقل ہونا چاہے' وہ مدینہ طیبہ میں اپنی کوئی چیز چھوڑے گا؟ انھوں نے فرمایا، کہ نہیں۔ کہنے لگے بس یہی بات ہے۔ لوگوں کو ان کے جواب سے یہ خیال ہو گیا کہ وہ دوسری جگہ منتقل ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں جبکہ ان کی غرض دوسرے عالم کو انتقال کرنے کی تھی۔ {اسلم عبداللہ۔نوشہرہ}

خلوت وجلوت:

حضرت عیسیٰ سے حضرت یحییٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی بات ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکثر مسکرایا کرتے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام زیادہ رویا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ''اے یحییٰ! کیا تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکل ناامید ہو گئے ہو کہ کسی وقت تمھارا رونا ختم ہی نہیں ہوتا؟''

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ''اے عیسیٰ! کیا تم اللہ کے قہر سے بالکل بے خوف ہو گئے ہو کہ تم کو ہر وقت ہنسی ہی آتی رہتی ہے۔''

ایک فرشتہ آیا کہ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم تم دونوں میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اے عیسیٰ! لوگوں کے سامنے تو ایسے ہی رہو جیسے اب رہتے ہو لیکن تنہائی میں یحییٰ کی طرح رویا کرو، اور اے یحییٰ! تنہائی میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب ہو، لیکن لوگوں کے سامنے ہنس لیا کرو تاکہ لوگوں کو میری رحمت سے مایوسی نہ ہو جائے۔ (تسہیل المواعظ) {عبدالسمیع۔شورکوٹ}

☆☆☆

عشق تیرا ہے لاجواب اثر!

آم کی جانب سے شاعر کو سندِ اعتراف

اثر جونپوری

آم کا دل نہال تو نے کیا
عاشقی میں کمال تو نے کیا
آم کو خاص تازگی بخشی
عام میرا جمال تو نے کیا
میں نہ مرتا تو اور کیا کرتا
میرا جینا محال تو نے کیا
مجھ کو محفوظِ بطن کر ڈالا
میرا کتنا خیال تو نے کیا
حشر تک میں بھی یاد رکھوں گا
حشر جو ساڈے نال تو نے کیا
سچ تو یہ ہے مرے تشخص کو
دہر میں بے مثال تو نے کیا
میں بھی تڑپا کہ میری فرقت میں
ہائے اپنا جو حال تو نے کیا
عشق تیرا ہے لاجواب اثر
آم ہی کا سوال تو نے کیا

خط و کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد کراچی
bkislam4u@gmail.com
021 366 099 83

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1200 روپے بیرون ملک ایک میگزین 18000 روپے دو میگزین 20000 روپے

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

قربانی

ابن آس محمد

کہانیاں عام طور پر فرضی ہوتی ہیں، مگر ان کے سبق سچے ہوتے ہیں۔

ایسی کہانیاں، کتنی ہی پرانی ہوں، ہمیشہ نئی محسوس ہوتی ہیں۔

یہ بھی ایک پرانی کہانی ہے۔اتنی پرانی کہ اس وقت نہ موبائل فون ہوتا تھا، نہ انٹرنیٹ اور نہ گوگل، ہاں عید کارڈ ہوتے تھے۔

کچھ پرانے کاغذ دیکھتے ہوئے ایک پرانا عید کارڈ نظر آیا تو نجانے کیوں، آج یہ پرانی مگر سچی کہانی یاد آگئی۔

چلیں میں آج آپ کو یہ پرانی کہانی سناتا ہوں۔

یہ ایک ننھی بچی کی کہانی ہے۔

نام اس کا ردا تھا...... اور وہ تتلا کر بولتی تھی۔

وہ اگرچہ بہت چھوٹی تھی، پھر بھی اسے احساس ہوگیا تھا کہ اس کے اردگرد، گھر میں کسی چیز کی کمی ہے۔

کوئی رشتہ...... کوئی ایسا فرد...... جسے ہونا چاہیے ......مگر نہیں ہے۔

جب اس نے تتلا کر...... کچھ ٹوٹا پھوٹا بولنا شروع کیا تو امی تو جیسے نہال ہی ہوگئیں۔

وہ سارا سارا دن اسے اپنے سینے سے چمٹائے خوب پیار کرتیں۔

اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے نت نئی چیزیں پکا کر کھلاتیں۔سلائی مشین پر، چھوٹے چھوٹے پھولوں والی فراکیں سی سی کر اسے پہناتیں۔

رات کو تھپک تھپک کر سلاتے وقت اسے پریوں کی......شہزادیوں کی...... بادشاہوں کی...... جنگوں کی...... اور جنگلوں کی کہانیاں سناتیں۔

وہ جوں جوں بڑی ہو رہی تھی، یہ تمام کہانیاں اس کی سمجھ میں بھی آتی جارہی تھیں۔

ساری کہانیاں، ان کے تمام کردار، ان کے رشتے...... سب کچھ سمجھ میں آتا جارہا تھا۔

اور پھر ایک دن...... جب وہ اتنی بڑی ہوگئی کہ سوال پوچھنے لگی اور خوب سوچ سمجھ کر باتیں کرنے لگی ......تب ایک دن...... ہاں......، تب ایک دن اس نے سوال پوچھا۔

''امی...... ساری شہزادیوں کے ابا ان کے ساتھ ان کے محل میں رہتے ہیں......؟''

''ہاں بیٹی! محل تو ہوتا ہی ان کے ابا کا ہے...... وہ بادشاہ ہوتا ہے...... وہ اپنی شہزادیوں کے ساتھ ہی رہتا ہے۔'' امی نے جواب دیا۔

''اور آپ کہتی ہیں کہ میں بھی ننھی سی شہزادی ہوں......؟''

ہاں بیٹی! تم میری ننھی سی پیاری سی شہزادی ہو۔''

امی نے جواب تو دے دیا، مگر ان کا دل اچانک دھڑک اٹھا۔

تو پھر میرے اباجان کہاں ہیں؟ وہ اپنی شہزادی کے ساتھ کیوں نہیں رہتے......؟''

امی کا دل بلا وجہ نہیں دھڑکا تھا۔

وہ سمجھ گئی تھیں کہ اُن کی شہزادی کو یہ تمہید باندھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے۔

جس وقت ننھی ردا نے اپنی امی سے یہ سوال کیا تھا۔اُس وقت اس کے دادا جان باہر صحن میں پڑی چارپائی پر سو چکے تھے، اور اس کی دادی جان برآمدے میں تخت پر بیٹھی سروتے سے چھالیہ کتر رہی تھیں۔

سوال تھا یا تازیانہ تھا......

ردا کی امی کو چپ لگ گئی۔

دادی نے چونک کر دیکھا اور جھٹ آگے بڑھ کر ننھی ردا کو سینے سے چمٹا لیا۔

''ارے میری جان! دیکھو تو بچی کو آج باپ یاد آگیا۔''

''امی بتائیں نا...... میرے ابو کہاں ہیں؟''

امی کچھ بول نہ پائیں۔اُن کی آنکھوں میں اچانک کہیں سے ڈھیر سارا پانی آ گیا تھا۔

وہ اس پانی کو چھپانے کی کوشش کرنے لگیں، مگر ناکام ہوگئیں۔

''بولیے نا امی! کہاں ہیں ابو......؟''

''بیٹا! وہ کسی...... بہت ضروری کام سے گئے ہیں۔'' امی نے بڑی مشکل سے جواب دی، اچانک



آئیے! دین سیکھیے

مولانا ہارون الرشید عادل

سوال: لوگ پہلی جنوری کو نئے عیسوی سال کی مبارک باد دیتے ہیں، اس کے مقابلے میں نئے اسلامی سال کی مبارک باد دینا کیسا ہے؟ کیا ہم محرم الحرام کے چاند کی مبارک باد دے سکتے ہیں؟ (عبدالرحمن)

جواب: اسلامی مہینوں کے آغاز میں ایک دوسرے کو مبارک باد دینے کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ ثواب یا ضروری سمجھے بغیر اگر کوئی مبارک باد دے اور خیر و برکت کی دعا کرے تو حرج نہیں۔ اسی طرح نئے اسلامی سال کے شروع میں یا ہر مہینے کا چاند دیکھ کر خود اپنے لیے خیر و برکت کی مسنون دعا کرنا بعض روایات سے ثابت ہے۔

عبداللہ بن ہشام سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ صحابہ کرام ایک دوسرے کو سال یا مہینے کی آمد پر یہ دعا سکھاتے تھے:

اللّٰهُمَّ اَدْخِلْهُ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ، وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ، وَرِضْوَانٍ مِنَ الرَّحْمٰنِ، وَجَوَارٍ مِنَ الشَّيْطَانِ.

ترجمہ: اے اللہ! اس چاند کو ہمارے اوپر امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ اور رحمن کی رضامندی اور شیطان کے بچاؤ کے ساتھ داخل فرما۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد)

(دارالافتا: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن)

ان کا گلا رندھ گیا تھا۔

''کام سے گئے ہیں......؟''

ننھی ردا نے بے یقینی سے پوچھا۔

''ہاں...... بہت ضروری کام سے۔''

''مگر میں نے تو انھیں کبھی دیکھا ہی نہیں۔''

''کیوں کہ وہ بہت دنوں سے گئے ہوئے ہیں نا...... اِس لیے......!''

''اچھا......'' ردا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کہاں گئے ہیں...... آتے کیوں نہیں......؟''

اب امی نے اپنے آنسو خشک کر لیے اور پیار سے اسے چمکارتے ہوئے بولیں:

''کیوں کہ وہ بہت دور گئے ہیں ناں، واپس آتے ہوئے وقت تو لگتا ہی ہے۔''

امی نے باتوں باتوں میں اپنی ہتھیلی کی پشت سے آنکھوں میں تیرنے والے پانی کو دوبارہ صاف کر لیا۔

''اچھا......!'' ننھی ردا بہل گئی۔

''تو پھر وہ کب آئیں گے گھر......؟''

''جب تم اللہ میاں سے دعا مانگو گی...... اور وہ دعا سن لیں گے...... تو بس...... فوراً آ جائیں گے۔''

''یہ تو بہت آسان ہے۔''

ننھی ردا نے کہا اور فوراً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگی۔

امی نے آنکھیں بند کر لیں اور دیوار سے پشت ٹکا کر خود کو سنبھالنے لگیں۔

دادی کی ہمت ہی نہ ہوئی کہ وہ ماں بیٹی کی باتوں کے درمیان زبان کھولتیں۔ وہ تو ماں تھیں، سب سے زیادہ تو ان کا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ وہ بس ٹکر ٹکر ننھی ردا کو دعا مانگتے دیکھتی رہیں، اور جب خود پر قابو نہ رہا تو منھ چھپا کر سسکیاں لینے لگیں۔

☆......☆

ردا کے ابو ایک خوب صورت اور دین دار آدمی تھے۔

جذبۂ ایمانی سے سرشار...... بہادر، سچے اور ایمان دار......! نماز پنج گانہ محلے کی مسجد ہی میں ادا کرتے تھے۔

ان کی شادی کو ابھی ایک سال ہی ہوا تھا کہ ایک روز مسجد میں کچھ لوگ چندہ کرنے آئے۔

وہ کشمیر کے بے سہارا، یتیم، اور زخمی بچوں کے لیے امداد جمع کرنے آئے تھے۔

انھوں نے کشمیریوں پر ہونے والے مظالم سنائے تو ان کا دل دہل گیا۔

وہ چندہ جمع کرنے والوں کے پاس پہنچے۔

''میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور پوچھیں۔'' ان میں سے ایک بولا۔

''کشمیر میں اِتنا ظلم ہو رہا ہے...... جتنا آپ بتا رہے ہیں......؟''

''جی بھائی! کشمیر میں تو خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔''

''اوہ...... یہاں اخباروں میں پڑھتا تو ہوں ...... مگر آپ کی باتیں سن کر دل دہل گیا ہے...... کچھ اور بتائیں۔''

''بہت لمبی داستان ہے بھائی...... ظلم کی طویل داستان!''

''مجھے تو لگتا تھا، اُن خبروں میں سچائی کم...... اور فسانہ زیادہ ہوتا ہے۔''

اتنا سننا تھا کہ اس شخص کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ مسجد کی دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا۔

اس نے اپنی ٹانگ پر سے کپڑا اٹھایا۔ اس کی ٹانگ لکڑی کی تھی۔

''یہ ٹانگ دیکھ رہے ہیں......؟'' اس نے پوچھا۔

ہاں...... لکڑی کی ٹانگ ہے...... جن کی ٹانگ نہیں ہوتی، وہ لکڑی کی لگا لیتے ہیں۔''

''جب میں پیدا ہوا تھا، اس وقت یہ لکڑی کی نہیں تھی...... آپ کی طرح گوشت پوست کی تھی...... جوان ہوا تو میرے گاؤں میں فوج آئی...... اور مجھے بغیر کسی جرم کے اٹھا کر لے گئی۔''

''پھر......؟'' وہ حیرت سے بولے۔

''پھر میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر...... آری سے میری ٹانگ کاٹ دی۔''

''کک...... کیا مطلب......؟''

وہ تھرا گئے۔ اچھل کر سیدھے ہو گئے۔ آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔

''ہاں...... انھوں نے...... میری ٹانگ کاٹ دی...... جیسے وہاں موجود اور بہت سوں کی ٹانگیں......

بازو کاٹ دیے تھے...... کچھ کی آنکھیں نکال دی تھیں۔''ان کی آنکھوں کے سامنے یہ سب سن کر اندھیرا چھانے لگا۔

''اوہ......تو......تو کوئی روکنے والا نہیں ہے انھیں اس ظلم سے......؟اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں...... بہت سے لوگ ہیں...... جو دن رات اُن کا سامنا کرتے ہیں...... انھیں ظلم کرنے سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''کون ہیں وہ لوگ......؟''

''مجاہدین......!''

''مجاہدین......؟''

''ہاں......مجاہدین......کشمیری مجاہدین...... میرے اور آپ جیسے لوگ......جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر......مظلوموں کی مدد کے لیے...... اور ظالموں سے لڑنے کے لیے وہاں موجود ہیں...... وہاں کے مظلوموں کے ساتھ مل کر......ظالموں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔''ردا کے ابو یکا یک چپ ہوگئے۔

اور دوسرے دن، نمازِ جمعہ کے بعد جب وہ لوگ چندہ جمع کرنے لگے تو ردا کے ابو ان کے پاس گئے۔

''کیا میں اس جہاد میں آپ کے ساتھ شامل ہو سکتا ہوں؟......میں بھی مجاہد بن سکتا ہوں؟......میں بھی اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کر سکتا ہوں......؟''انھوں نے چونک کر دیکھا اور مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

یہ وہ وقت تھا، جب لوگ جوق در جوق جہادِ کشمیر میں شریک ہونے کے لیے جا رہے تھے۔

ردا کے ابو بھی اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے جہاد پر جانے کو آمادہ ہوگئے۔

انھوں نے اپنا ایک خالی پلاٹ فروخت کیا، ساری رقم ردا کی امی کا اکاؤنٹ کھلوا کر اس میں جمع کرا دی، تاکہ گھر کے اخراجات چلتے رہیں۔ پھر وہ جہاد میں شریک ہونے کے لیے کشمیر چلے گئے۔

☆......☆

ان کے جانے کے چھے ماہ بعد ردا پیدا ہوئی، اور پھر مزید اتنا وقت بیتا کہ وہ اتنی بڑی ہوگئی کہ وہ ان کے بارے میں پوچھنے لگی۔

درمیان میں بس ان کے تین خط آئے تھے اور ردا کی امی نے بھی جواب میں تین ہی بار خط لکھے تھے، کیوں کہ ردا کے ابو کے ٹھکانے بدلتے رہتے تھے۔

ذوالقعد شروع ہی ہوا تھا کہ ایک دن اچانک ردا کے ابو کا خط آ گیا۔

اس میں لکھا تھا کہ میں بہت جلد آ رہا ہوں۔ گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

ردا کی امی کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔

انھوں نے اپنی ردا کو سینے سے چپکا لیا، چٹاچٹ پیار کیا اور کہا:''ردا بیٹی!......تم ایک دن اپنے ابو کے بارے میں پوچھ رہی تھیں نا......؟''

''جی امی......!''ردا نے جواب دیا۔

اس کی امی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔''وہ آ رہے ہیں......وہ گھر آ رہے ہیں۔''

''سچ امی......؟''ننھی ردا نے بے یقینی سے کہا۔

''ہاں بیٹی!......تمھارے ابو آ رہے ہیں۔''

''کب تک آ جائیں گے امی!......کس تاریخ کو؟'' ردا نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

امی نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی اور مسکرا کر کہا:''پگلی!......خط میں تاریخ تھوڑی لکھی ہے ......بس یہ لکھا ہے کہ میں بہت جلد آ رہا ہوں......تو بس......اب وہ آنے والے ہیں...... جلد آ جائیں گے......شاید بقرعید تک آ جائیں۔

''بقرعید پر......؟''ننھی ردا خوشی سے اچھل پڑی اور چلاتی ہوئی گود سے اتر کر دادی کی طرف بھاگی۔

''دادی!......دادی!......میرے ابو عید پر آئیں گے......میرے ابو عید پر آئیں گے......میرے لیے کھلونے......اور بہت سے کپڑے لائیں گے...... اور......اور بہت ساری ٹافیاں بھی لائیں گے۔''اس کے بعد دن ایک ایک کر کے گزرنے لگے۔

ذوالحج کا چاند نظر آ گیا۔

ردا تو ابھی بہت چھوٹی تھی۔ اس مبارک عشرے میں عبادت نہیں کر سکتی تھی، البتہ وہ اپنی امی کے ساتھ دعا میں ضرور شریک ہوتی تھی۔ ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگا کرتی تھی۔

ایک ایک کر کے دن گزرنے لگے۔

جوں جوں بقرعید قریب آ رہی تھی، ننھی ردا کی بے چینی، بے تابی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

اس نے اپنے ابو کے بارے میں طرح طرح کے سوال کر کر کے اپنی امی کا ناک میں دم کر دیا تھا۔

وہ گھما پھرا کر اپنی ہر بات ابو کے تذکرے پر ختم کرتی۔

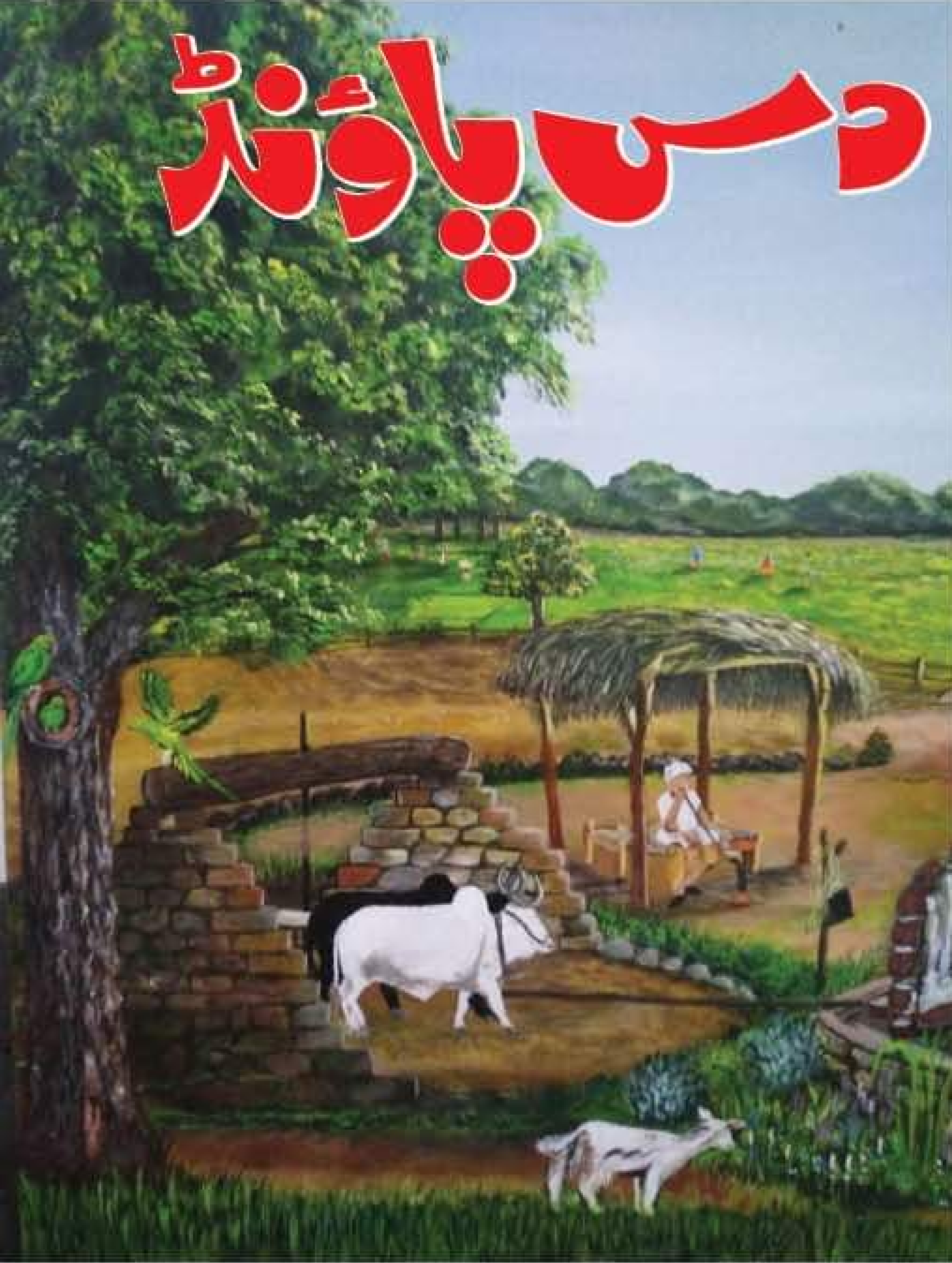
اِدھر تو یہ بے چینیاں اور اشتیاق عروج پر تھا...... اور اُدھر......کشمیر میں حالات ایک دم تبدیل ہوگئے۔

اس کے ابو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک کیمپ میں موجود تھے۔ واپس وطن آنے کی تیاری کر رہے

تھے...... کہ ان کی مخبری ہوگئی۔
بھارتی فوج کے ایک دستے نے رات کی تاریکی میں مجاہدین کے خفیہ ٹھکانے پر شب خون مارا۔
وہ سامنے سے اور کھلم کھلا مقابلہ تو کر ہی نہیں سکتے تھے، اسی قسم کی چھاپہ مار کارروائیاں کرتے تھے۔
مجاہدین گہری نیند سو رہے تھے کہ بھارتی فوجیوں نے ہلا بول دیا۔
خوب بم باری کی اور کئی مجاہدین دوران نیند ہی شہید ہوگئے۔
ان میں ننھی ردا کے ابو بھی تھے۔
کچھ مجاہدین اپنی جان بچانے میں، اور پھر مقابلہ کر کے فوجیوں کا گھیرا توڑ کر نکلنے میں کام یاب ہوگئے...... کچھ گرفتار ہوگئے۔
بچ جانے والوں میں ایک، ردا کے ابو کے دوست بھی تھے۔
یہ وہی دوست تھا جس کے ساتھ اس کے ابو دو تین دن پہلے کشمیر کے بازار سے ایک عید کارڈ خرید کر لائے تھے۔ اس وقت اُن کی واپسی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ انھوں نے اپنی بیٹی ردا کے لیے ایک عید کارڈ لکھا تھا اور اپنے اس دوست، جس کا نام احمد تھا، کو دے دیا تھا۔
''اس کا کیا کروں......؟'' احمد نے پوچھا۔
''تم جا رہے ہو...... یہ عید کارڈ میرے گھر پہنچا دینا۔'' انھوں نے کہا۔
''مگر میں تو سرگودھا جاؤں گا...... اور تمھارا گھر کراچی میں ہے۔''
''تو تم ایسا کرنا...... یہ عید کارڈ لیٹر بکس میں ڈال دینا...... عید سے پہلے میری بیٹی تک پہنچ جائے گا۔''
احمد نے وہ کارڈ لے لیا تھا۔ وہ مظفر آباد جانے کی تیاری کرنے لگے تھے۔
اتفاق سے دو دن بعد ہی ردا کے ابو کی اپنی واپسی کا بھی فیصلہ ہوگیا تو انھوں نے کہا کہ کارڈ واپس کر دو...... اب تو میں ان شاء اللہ تعالیٰ عید سے پہلے خود ہی پہنچ جاؤں گا، مگر قسمت میں ان کا گھر جانا نہیں تھا۔ اسی رات وہ گھر واپس جانے سے پہلے ہی شہید ہوگئے۔
احمد بچ گئے تھے۔ وہ مجاہدین کے دوسرے ٹھکانے پر پہنچے اور سب کو بتایا کہ ہمارے ساتھی شہید ہوگئے۔
یہ ایک المناک واقعہ تھا۔ سب سناٹے میں تھے۔
دو تین دن بعد ردا کے ابو کے دوست پاکستان روانہ ہوئے اور سیدھے اپنے گھر پہنچ گئے۔ ان کے والدین سرگودھا میں رہتے تھے۔
ایک دو دن بعد جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو ردا کے ابو کا لکھا ہوا عید کارڈ ان کے سامان سے نکلا۔ کارڈ دیکھ کر ان کا دل دہل گیا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔
انھوں نے سوچا کہ اس کارڈ کو پوسٹ کردے، مگر نہیں کر پائے۔ کیوں کہ عید میں چار دن رہ گئے تھے اور اتنے کم وقت میں یہ عید کارڈ، عید سے پہلے اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔
انھیں اندازہ تھا کہ عید تہوار پر، گھروں سے دور رہنے والوں کے چاہنے والے کس شدت کے ساتھ ان کے خط یا پیغام کا انتظار کرتے ہیں۔
انھیں ویسے بھی کراچی میں ایک کام تھا، سو وہ عید کارڈ لے کر کراچی کے لیے روانہ ہوگئے۔
انھوں نے سوچ لیا تھا کہ یہ عید کارڈ، بذات خود اپنے ساتھی مجاہد کے گھر پہنچائیں گے۔
نا معلوم انھیں اپنے پیارے کی شہادت کی اطلاع ملی بھی ہے یا نہیں......!
کراچی، بہت بڑا شہر ہے۔ پورے ملک سے محنت کش لوگ پیسہ کمانے کے لیے اس شہر کا رخ کرتے ہیں۔ ان میں جرائم پیشہ لوگوں کی بھی اکثریت ہوتی ہے۔
جن دنوں احمد کراچی پہنچے، یہاں دہشت گردی عروج پر تھی۔
وہ بے چارے ردا کا گھر ڈھونڈ رہے تھے کہ کسی کونے کھدرے سے چلائی جانے والی کسی اندھی گولی کا شکار ہوگئے۔
کشمیر میں ظالم کافروں کے خلاف جہاد میں حصہ لے کر غازی بن کے آنے والے، اپنے ہی ملک میں کسی ظالم مسلمان کی گولی سے شہید ہوگئے۔ ردا کے ابو کا دیا ہوا عید کارڈ ان کے ہاتھ میں تھا۔
پولیس کو یہ عید کارڈ ان کے سامان میں، ان کے قریب ہی پڑا ملا۔
پولیس کو ابتدائی تفتیش ہی میں معلوم ہوگیا کہ مرنے والا، کشمیر میں جہاد کر کے واپس آیا تھا، اور کراچی آنے کا سبب، کچھ ضروری کام نمٹانے کے ساتھ ساتھ یہ عید کارڈ بھی پہنچانا تھا۔
انسپکٹر سکندر اس کیس کی تفتیش کر رہے تھے۔ انھوں نے کارڈ کھول کر پڑھا، تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
یہ کارڈ میدان جہاد سے کسی مجاہد نے اپنی بیٹی کے نام بھیجا تھا۔
دوسرے دن عید تھی۔ رات بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ انھوں نے سوچا کہ کل عید کی نماز پڑھ کر میں خود اس کارڈ کو پہنچانے چلا جاؤں گا۔

☆......☆

ایام حج گزر گئے اور بڑی عید کی رات بھی آ گئی...... مگر ردا کے ابو نہیں آئے۔
وہ بڑی شدت سے اپنے ابو کا انتظار کر رہی تھی مگر اس کے ابو نہیں آئے۔
وہ اپنے ابو کو شدت سے یاد کر رہی تھی۔ اس کی امی ایک طرف دل گرفتہ بیٹھی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر وہ اپنی ننھی ردا سے یہ آنسو چھپا رہی تھیں۔
وہ سمجھ گئی تھیں کہ ننھی ردا کے ابو اب شاید ہی واپس آئیں۔
وہ خبروں میں مجاہدین کے کیمپ پر ہونے والے بھارتی فوج کے حملے کی خبر سن چکی تھیں۔
خبروں میں کئی مجاہدین کے نام بتائے گئے تھے۔ ان کے نام بھی جو شہید ہوگئے تھے، اور ان کے نام بھی جو قیدی بنا لیے گئے تھے۔
اس خبر میں چند مجاہدین کے لاپتا ہونے کا بھی بتایا گیا تھا، جن کے بارے میں حتمی طور پر کسی کو کچھ نہیں معلوم تھا کہ قیدی بن گئے یا شہید ہوگئے۔
ان لاپتا مجاہدین میں ان کے شوہر کا نام بھی تھا۔ وہ تو اندر ہی اندر ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی تھیں۔
انھوں نے ردا کو دادی جان کے ساتھ جائے نماز پر نماز پڑھتے اور ابو کے آنے کی دعا مانگتے دیکھا تو ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔ (بقیہ صفحہ 15 پر)



دس پاؤنڈ

اکبر امین میمن

۲۰۰۶ء کی بات ہے۔ سردیوں کی آمد آمد تھی۔ ہر طرف مونگ پھلیاں، میوے، گرم انڈے اور گرما گرم چائے بک رہی تھی۔ ایسے میں شامو پیدل چلتے ہوئے دن ڈھلنے سے پہلے پہلے لنڈا بازار پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ ایک بنگلے میں مالی کی نوکری کیا کرتا تھا اور مہینے میں وہ اور اس کی بیوی اتنے ہی پیسے کما پاتے تھے، جس سے دو وقت کی روٹی کھا سکتے تھے۔

سردی کی شدت سے بچنے کے لیے ان کے پاس لنڈے کے گرم کپڑوں کا ہی ایک سہارا تھا۔ شامو جیسے کسمپرسی کی زندگی گزارنے والے کے لیے وہ گویا ایک خزانہ تھا!

سہ پہر کے وقت شامو لنڈا بازار پہنچ گیا۔ بازار میں داخل ہوتے ہی اس کی نگاہ ایک بے حد خوبصورت سیاہ رنگ کے کوٹ پر ٹھہر گئی۔ اس نے قیمت پوچھی تو دکاندار نے اس کی قیمت اسی روپے بتائی۔ اس نے فوراً پیسے دیے اور کوٹ لے لیا اور خوشی خوشی گھر کی طرف رواں دواں ہوگیا۔

وہ شہر سے تھوڑی ہی دور ایک گاؤں میں رہا کرتا تھا۔ جب وہ اپنے گھر پہنچا تو سورج ڈھل چکا تھا۔ اس کی بیوی روشنی رات کے لیے کھانا بنانے میں مصروف تھی۔

ان کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑی پانچ سالہ بیٹی، پھر تین سالہ بیٹا اور سب سے چھوٹی دو سالہ بیٹی۔

''روشنی! دیکھو میں کیا لایا ہوں؟''

شامو نے خوشی خوشی شاپر میں سے کوٹ نکال کر اسے دکھایا۔

''پھر سے خرچہ کردیا؟'' روشنی نے پریشانی سے پوچھا۔

''کبھی خوش بھی ہوجایا کرو۔ چلو اب جلدی سے سب کچھ چھوڑو اور پہلے اس کوٹ کو دھودو تاکہ یہ صاف ہوجائے۔''

شامو نے کہا اور روشنی پانی کی بالٹی بھرنے لگی۔ اس نے بالٹی گھر کے باہر جاکر رکھی اور کوٹ دھونے کے لیے صابن اٹھالیا۔ دھونے سے قبل اس نے عادت کے مطابق کوٹ کو اچھی طرح جھاڑا اور یہ کیا؟

کوٹ کو جھاڑتے ہی اس کے کالر کی طرف سے کوئی کاغذ سا نیچے گرا۔

''شامو!'' اس نے آواز لگائی۔ شامو بچوں سے باتیں کر رہا تھا، آواز سن کر اس کی طرف آگیا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے سوال کیا۔

''یہ دیکھو، کوئی کاغذ نکلا ہے کالر میں سے۔''

اس نے کاغذ اس کی طرف بڑھایا کہا۔

''دیکھنے دو۔'' اس نے وہ کاغذ اٹھایا اور لالٹین کی طرف لے کر گیا۔ وہاں غور سے دیکھا تو اس کاغذ پر کسی خاتون کی تصویر چھپی ہوئی تھی اور بڑا بڑا دس لکھا تھا۔

اچانک اس کا منہ کھل گیا۔

''ارے یہ تو کوئی غیر ملکی نوٹ لگتا ہے!'' شامو نے خوشی سے کہا۔

''اچھا!'' روشنی خوش ہوگئی۔

''چلو، صبح اس کو بدلوا کر پاکستانی روپے لے آنا۔''

روشنی نے کہا اور کوٹ دھونے لگی۔

شامو کو تو اس رات ٹھیک سے نیند ہی نہ آئی۔ وہ خواب میں بھی سوچتا رہا کہ یہ دس ہزار تو ہوں گے، ان دس ہزار روپوں سے وہ کیا کچھ نہیں کرسکتا تھا؟

اے اللہ!

رَبِّ أَعِنِّیْ وَلَا تُعِنْ عَلَیَّ وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ وَامْکُرْلِیْ وَلَا تَمْکُرْ عَلَیَّ وَاهْدِنِیْ وَیَسِّرِ الْهُدٰی لِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ بَغٰی عَلَیَّ۔

اے میرے رب! میری مدد فرما اور میرے خلاف مدد نہ فرما، میری حمایت فرما میرے خلاف حمایت نہ فرما، اپنی لطیف خفیہ تدبیر میرے حق میں استعمال فرما، میرے خلاف استعمال نہ فرما، مجھے ٹھیک راستے پر چلادے اور صراطِ مستقیم پر چلتے رہنا میرے لیے آسان فرمادے، جو کوئی مجھ پر ظلم وزیادتی کرے اس کے مقابلے میں میری مدد فرما۔ (ترمذی)

صبح سویرے وہ شہر کی طرف نکل گیا۔ آج اتنے لمبے سفر میں اس کے پیر بالکل شل نہیں ہوئے تھے، وہ خوش ہی اتنا تھا کہ بس!

شہر کے چھوٹے سے بینک میں جا کر اس نے جب وہ نوٹ دکھایا تو بینک کے افسر نے اسے دیکھا۔

''یہ تو دس پاؤنڈ کا نوٹ ہے، انگلستان کا۔'' اس نے کہا۔

''ہاں یہ مجھے پاکستانی روپوں میں دے دو۔'' شامو نے مسکرا کر کہا۔

''یہ اس شہر میں کہیں نہیں ہوگا بھئی۔ کراچی میں ہوگا۔ یہاں پر پیسے بدلے نہیں جاتے۔'' افسر نے بے رخی سے کہا۔

''کوئی تو جگہ ہوگی جہاں ہوتے ہوں گے؟'' شامو کی خوشی پر جیسے پانی پھر گیا تھا۔

''ہاں شاید، سنا تو ہے کہ ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک دفتر ہے جہاں پیسے بدلے جاتے ہیں، وہاں معلوم کرلو۔''

افسر نے کہا اور وہ شامو ریلوے اسٹیشن کی طرف دوڑا۔

اگلے آدھے گھنٹے میں وہ اس دفتر میں تھا۔ وہاں ایک بوڑھا شخص بیٹھا تھا جس نے سر پر ٹوپی پہن رکھی تھی۔ اس کی ناک پر عینک بھی تھی۔

''یہ پیسے بدلوانے ہیں۔'' اس نے کہا۔

نوٹ دیکھ کر اس نے پھر سے اسے دیکھا۔

''یہ کہاں سے ملا؟'' اس نے پوچھا۔

''میں نہیں بتاؤں گا۔'' شامو نے کہا۔

''پاکستانی روپوں میں اُس کے ہزار روپے ہوں گے۔'' اس نے کہا۔

''صرف ہزار؟ کوئی غلط فہمی ہوئی ہے بھائی آپ کو، یہ تو دس ہزار ہوں گے۔'' شامو نے معصومیت سے کہا۔

بڈھا ہنسنے لگا۔

''صرف ہزار روپے ہوں گے، بدلوالو۔'' اس نے ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بحث کے بعد شامو نے نوٹ لیا اور واپس گھر کو لوٹ گیا۔

واپس جاتے ہوئے اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اس کے سارے خواب ٹوٹ گئے تھے۔ اب اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ نوٹ کسی کو نہیں دے گا۔ کراچی جانے کی ہمت اس میں بالکل نہیں تھی۔ ویسے بھی بڑے شہر میں بات کرنے کا حوصلہ اور اعتماد بھی وہ کہاں سے لاتا؟

''ارے؟ کیا ہوا؟ نوٹ نہیں بدلوایا؟'' روشنی نے پوچھا۔

''مجھے پتا چلا ہے کہ اس نوٹ کو پاؤنڈ کہتے ہیں، یہ دس پاؤنڈ ہیں تو یہ دس ہزار روپوں کے تو ہوں گے، مگر دفتر والا آدمی مجھے بے وقوف سمجھ کر صرف ہزار روپے پکڑا رہا ہے۔'' شامو نے پوری داستان سنائی تو روشنی نے افسوس سے سر پکڑ لیا۔

صبح سے وہ بے چاری بھی نجانے کیا کیا خواب آنکھوں میں سجائے بیٹھی تھی۔

''اب ہم اسے الماری میں رکھ دیتے ہیں، ہم اسے ابھی نہیں بدلوائیں گے۔ یہ بہت قیمتی ہے۔ کچھ برس کے بعد یہ ہمیں بہت سارا پیسہ دے جائے گا۔''

جواہرات سے قیمتی

☆......بات اس میں بھی سوراخ کر دیتی ہے جس میں سوئی نہیں کر سکتی۔

☆......ملاحوں کی کثرت سے کشتی ڈوب گئی۔

☆......جو شخص پورا تمھارے لیے ہے، اس کا پورا بوجھ تم پر ہے۔

☆......کبھی نہر میں وہ چیز مل جاتی ہے، جو سمندر میں نہیں ملتی۔

☆......پیٹھ پیچھے برائی ہی عاجز کی طاقت ہے۔

☆......دوست کی مار کا زیادہ دکھ ہوتا ہے۔

☆......جو بے عیب بھائی تلاش کرے گا، وہ بھائی کے بغیر ہی رہے گا۔

☆......تیرے بالوں کی سفیدی، تیری موت کی مخبر ہے۔

☆......جوانی جاہلیت کی سواری ہے۔

☆......صبح کی ٹھنڈک نے آدمی کو پیاس سے متعلق دھوکا دیا۔

☆......علم سینوں میں ہے نہ کہ سطور میں۔

☆......کیا سایہ سیدھا ہو سکتا ہے، جب لکڑی ٹیڑھی ہو؟

☆......دریا میں اس وقت کودنا، جب تیرنا جانتے ہو۔

☆......پوچھتے پوچھتے دلی پہنچ جاتے ہیں......

☆......اختصار، کلام کی روح ہے۔

☆......زندہ رہ، وہ دیکھے گا جو تُو نے نہیں دیکھا۔

(انتخاب: محمد اقراش عاصم۔ میلی پیر بخش، ٹبہ قائم دین۔ خوشاب)

شامو نے کہا اور نوٹ کو الماری میں رکھ دیا۔

وہ اور روشنی روزانہ اس نوٹ کو نکال کر دیکھتے، اسے چومتے اور پھر رکھ دیتے۔

آنے والے کئی برس تک وہ اس نوٹ کو بس چوم چوم کر رکھتے گئے، یہاں تک کہ ان کے گھر میں فاقے بھی ہوئے، مگر انھوں نے وہ نوٹ استعمال نہیں کیا۔

بس پھر کیا تھا، وہ نوٹ الماری میں پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ پڑے پڑے آخر ایک دن گل گیا۔

بے وقوف انسان یہی کرتے ہیں۔ وہ چیزوں کو ان کی قدر کے مطابق اہمیت نہیں دیتے اور ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے، یوں آخر کار فائدہ اٹھانے کا وقت گزر جاتا ہے۔ شامو اگر وقت پر نوٹ سے فائدہ اٹھا لیتا تو وہ مشکل وقت میں، جب وہ فاقے کر رہے تھے، ان کے کام آجاتا، مگر خیالی پلاؤ پکانے والے ہمیشہ ہی نقصان اٹھاتے ہیں۔

بالکل اسی طرح اللہ کا کلام، قرآن مجید کو بھی انسان چوم چوم کر طاق میں سجا کر رکھتا ہے۔ وہ اگر اسے عمل کی نیت سے پڑھے، سمجھے اور عمل کرے تو بے شمار فائدے ہوں، مگر ہم بالکل شامو اور روشنی کی طرح بس اسے پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ طاق میں سجا کر رکھ دیتے ہیں اور مشکلات میں اس سے رہنمائی نہیں لیتے۔

☆☆☆

میر حجاز

17

ڈاکٹر اختر حسین عزمی

''ابا حضور! میں یثرب جانا چاہتی ہوں۔''

سیدہ آمنہ نے اپنے سسر عبدالمطلب کے سامنے اپنی خواہش بیان کی۔ وہ خواہش جسے وہ چھے سال سے اپنے دل میں دبائے بیٹھی تھیں۔ مرحوم شوہر جن کی وفات غریب الوطنی میں ہوئی تھی۔ آخری لحات میں وہ نجانے کیا کہنا چاہتے ہوں۔ کاش وہ اڑ کر یثرب پہنچ جاتیں۔ مٹی کے اس تودے کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لیتیں جس کے نیچے ان کا شوہر محو استراحت ہے، لیکن وہ امانت جس کا امین سردار عبداللہ انھیں بنا کر گئے تھے، اس کی پرورش و تربیت اور احتیاط کے خیال نے انھیں اپنے محبوب شوہر کے مرقد کی زیارت سے روکے رکھا تھا۔ اب جب کہ لخت جگر کی عمر چھے سال ہو گئی اور انھیں یقین ہو گیا کہ وہ ان کے ساتھ سفر کی صعوبت برداشت کر سکے گا تو سیدہ آمنہ نے اپنے سسر سے یثرب جانے کی اجازت چاہی۔

''یثرب! اور اس حال میں؟''

عبدالمطلب نے حیران ہو کر آمنہ کو دیکھا، جنھیں بخار نے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ بخار سے افاقہ ہوئے ابھی چند دن ہی تو ہوئے تھے۔

''اگر آپ مجھے یثرب جانے کی اجازت دے دیں گے تو میں بالکل تندرست ہو جاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے لیکن جب تک تم بالکل ٹھیک نہیں ہو جاتیں، سفر نہیں کرو گی۔'' عبدالمطلب آمنہ کی صحت بارے فکر مند تھے۔

''ٹھیک ہے ابا جان!''

چند دن بعد ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف روانہ ہو رہا تھا۔ یثرب راستے میں پڑتا تھا۔ اہل قافلہ سردار عبدالمطلب کے عقیدت مند تھے۔ سیدہ آمنہ کی حبشی لونڈی برکہ بھی اُن کے ساتھ جا رہی تھی۔ سردار عبدالمطلب نے کبھی سفر کو اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ تاجر تھے اور سفر ان کا اوڑھنا بچھونا تھا لیکن آج وہ خلافِ معمول اداس اداس تھے۔ اپنی اداسی کو مصروفیت کے پردے میں چھپانا چاہتے تھے۔ وہ سفری ضرورت کی ایک ایک چیز کو دیکھ رہے تھے۔

سردار عبداللہ کی روانگی کا ویسا ہی منظر جو آمنہ کی آنکھوں میں محفوظ تھا، آج عبدالمطلب اپنی بہو اور پوتے کو روانہ کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

دادا نے بھینچ کر ابن عبداللہ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور پھر بوڑھے چہرے کی جھریوں کے درمیان سے آنسوؤں کے قطرے اپنا راستہ بنانے لگے۔ مکے کی منہ زور سیاست کی باگیں کھینچنے والے بوڑھے نے اپنے آنسوؤں کو چھپانے کے لیے اپنے چھے سالہ پوتے کے چاند چہرے کو چومتے ہوئے آڑ بنا لیا، اور پھر پوتے کو اٹھا کر محمل میں بٹھا دیا۔

اونٹوں کے بلبلانے، گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں یکبارگی بلند ہوئیں اور پھر آہستہ آہستہ اونٹوں کے گلے میں پڑی گھنٹیاں بجنے کی آواز مدہم ہوتی چلی گئی۔

☆......☆

سیدہ آمنہ یثرب میں اپنے سسر کے ننھیال بنی نجار کے ہاں دارالنابغہ میں ٹھہریں۔ بنی نجار کے گھر میں ان کے نواسے عبدالمطلب کی بہو اور پوتے کا آنا معمولی بات نہ تھی۔ اِس رشتے میں اُن کے لیے جو چاہت تھی، وہ ان کی خواتین اور مردوں کے محبت آمیز سلوک اور میزبانی کے اطوار سے جھلک رہی تھی۔

بڑی بوڑھیوں نے بیوہ آمنہ کو گلے لگایا۔ یتیم عبداللہ کے سر پر بار بار ہاتھ پھیرا۔ سب نے اشکبار آنکھوں سے سیدہ آمنہ سے اظہارِ غم کیا۔ تعزیت کے ہنگامے ختم ہوتے ہی آمنہ نے سردار عبداللہ کی آخری آرام گاہ دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ قبر پر پہنچیں تو گم سم قبر کو دیکھتی رہیں۔ ریت کی ایک لمبی ڈھیری جس کے سرہانے ایک پتھر رکھا تھا۔

عرب کے رواج کے مطابق سیدہ آمنہ نے بال نوچے نہ چہرہ پیٹا۔ چیختے چلاتے قبر کو نہیں جھنجھوڑا۔ وہ واپس آئیں تو ایسے دکھائی دیتی تھیں کہ جیسے سردار عبداللہ کو مل کر اور ان سے باتیں کر کے آ رہی ہیں۔

چند دن میں ہی یثرب میں ابنِ عبداللہ کے وقار اور متانت کے چرچے بلند ہونے لگے۔ ابن عبداللہ بنی نجار کے بچوں سے مانوس ہو گئے تھے۔ کبھی وہ لڑکوں کے ساتھ بنو عدی بن النجار کے تالاب میں تیرنے کے لیے چلے جاتے۔ کبھی ایک لڑکی انیسہ اس کے ساتھ کھیلا کرتے۔ قریبی قلعے کی عمارت پر اکثر کوئی پرندہ آ کر بیٹھا کرتا تھا اور بچے اسے دیکھ کر اس کو اڑانے کی کوشش کرتے لیکن وہ ان کی پہنچ سے اتنا دور ہوتا کہ اُن کے پھینکے ہوئے کنکر اس تک پہنچ نہ پاتے۔

بچے اس کو اڑانے کی کوشش میں نڈھال ہو جاتے اور وہ پرندہ اونچی دیوار پر سکون سے ایسے بیٹھا رہتا جیسے وہ ان کی بے بسی کا تماشا کر رہا ہو۔

چند ہی دن میں احمد تیراکی میں دوسرے لڑکوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ سیدہ آمنہ گھر میں کس جگہ بیٹھا کرتی تھیں اور اُن کے والد محترم کی قبر کس جگہ تھی، یہ سب باتیں ابن عبداللہ کی یادداشت کا حصہ بن گئیں۔

☆......☆

''صاحبزادے! آپ کا نام کیا ہے؟''

یثرب کے ایک بوڑھے یہودی نے ایک دن ابن عبداللہ کو سرِ راہ دیکھا تو پوچھا۔

''میرا نام احمد ہے۔'' ابن عبداللہ نے جواب دیا۔

یہ سن کر بوڑھے نے گھوم کر ابنِ عبداللہ کی پشت پر نظر ڈالی اور زیر لب بڑبڑانے لگا:

''یہ اس امت کا نبی ہے...... یہ تو اس امت کا نبی ہے۔''

یہ کہہ کر وہ تیزی کے ساتھ اپنے محلے کی طرف چلا گیا۔ (جاری ہے)

وہ راہِ راست سے بھٹکا ہوا تھا، پھر ایک دن سب کچھ بدل گیا! ایک منفرد کہانی، جس میں حیرت بھی ہے اور سبق بھی

کایا پلٹ

محمد فضیل فاروق

اس وقت اسے احمد کی بے چارگی کا کچھ احساس ہوا۔

اُدھر احمد اس کا تماشا بنتے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

آدھی چھٹی ہوئی تو وہ دونوں تیزی سے ایک ساتھ کلاس سے باہر نکلے اور ساتھیوں کی نظروں سے بچتے ہوئے ایک کنارے میں ہو لیے۔ ایک طرف تنہائی میں پہنچتے ہی فراز نے تیزی سے احمد کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''سچ سچ بتاؤ احمد!...... یہ سب کیا ہے!؟''

اُس کی آواز لرز رہی تھی۔

''یہ تم نے کیسا جادو کیا ہے؟...... میں...... میں بہت زیادہ پریشان ہو گیا ہوں۔''

یہ سن کر احمد بھی شدت جذبات سے روہانسا ہو گیا۔

''مجھے کچھ نہیں پتا فراز! میں بھی بہت پریشان ہوں...... مم...... میری امی جان تو اِن دنوں بہت بیمار ہیں...... مجھے امی اور عائشہ کی بہت یاد آ رہی ہے فراز!''

''میں کچھ نہیں جانتا احمد! بس میں آج اپنے گھر جاؤں گا۔ تم اپنے گھر جاؤ۔ مجھ سے نہیں رہا جاتا تمھارے گندے گھر میں۔'' فراز نے اب قدرے غصے سے کہا۔

''ٹھیک ہے، مگر تم کیا کہو گے اپنے گھر جا کر خالہ کو؟...... اور میں!...... میں بھی ...... امی کو کیا کہوں گا...... ہماری بات کا کون یقین کرے گا؟...... نہیں نہیں فراز! اِس مسئلے کا یہ حل نہیں ہے۔'' فراز جواب میں کچھ نہ کہہ سکا اور خاموش کھڑا رہ گیا۔

احمد بھی خاموش رہا۔

''مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے احمد!'' اچانک فراز نے بڑی بے چارگی سے کہا۔

''اوہ! تمھاری امی نے لنچ دیا ہے ناں۔ وہ میں کلاس میں بھول آیا، وہ کھا لو۔'' احمد بولا تو فراز اچھل پڑا۔ ''ارے ہاں! میں تو بھول ہی گیا تھا، امی نے لنچ دیا ہو گا۔'' پھر اُس نے احمد کا بھی انتظار نہیں کیا اور کلاس کی طرف دوڑ گیا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ احمد کے سامنے بیٹھا ندیدوں کی طرح اپنا لنچ کھا رہا تھا۔

احمد خاموشی سے بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔

کھاتے کھاتے اچانک فراز کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ شاید اپنی امی کے ہاتھ سے بنا لنچ کھاتے ہوئے اسے اپنی امی یاد آ گئی تھیں۔

احمد نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو جلدی سے آگے بڑھ کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''دیکھو فراز! رو نہیں، مجھے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہے، زیادہ عرصہ نہیں چلے گا، ختم ہو جائے گا، اس وقت تک ہمیں یہ بات چھپا کر ایک دوسرے کا کردار ادا کرنا ہی پڑے گا، ورنہ دوسرے لوگ تو رہے الگ، خود ہمارے گھر والے بھی ہمیں پاگل سمجھیں گے۔'' احمد کہتے کہتے رکا اور فراز کے چہرے میں اپنی شکل کو نظر بھر کے دیکھا''...... مگر تب تک تم پلیز میری امی جان کا خیال رکھنا، آخر وہ تمھاری خالہ اور چچی بھی ہیں، میں بھی تمھارے ابو امی کا پورا خیال کروں گا...... پلیز!''

اُس نے ملتجی انداز میں کہتے ہوئے فراز کے ہاتھ پکڑ لیے۔

فراز خاموش رہا اور پرسوچ انداز میں احمد کو دیکھتا رہا۔

احمد پھر بولا:

''اب مجھے اپنے معمولات بتاؤ، تم کیا کرتے ہو گھر میں......؟''

''میں؟...... میں تو اپنے کمرے میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھتا ہوں، ویڈیو گیمز کھیلتا ہوں، شام کو ٹیوشن پڑھتا ہوں...... تم بتاؤ۔۔ تم کیا کرتے ہو یہاں سے جا کر؟''

''میں اسکول سے سیدھا بازار میں شبیر پنساری کی دوکان پر جاتا ہوں۔ وہاں شام تک کام کرتا ہوں۔ تقریباً پانچ بجے تک دوکان سنبھالتا ہوں، پھر شبیر سیٹھ دوپہر کا کھانا کھانے اور آرام کرنے کے بعد جب واپس آتے ہیں تو مجھے دیہاڑی دیتے ہیں، جس سے میں گھر کا ضروری راشن لے کر جاتا ہوں، اور تب ہی کھانا کھاتا ہوں...... اور آج...... آج تو اماں کی دوائیں لے کر جانی تھیں...... دواؤں کی پرچی میری پتلون کی جیب میں ہے......'' احمد کو امی کی دوا کا خیال آیا تو وہ پریشان ہو گیا۔

''ہائیں۔۔۔! اتنی دیر سے کھانا...... تب تک تو میرا بھوک سے دم نکل جائے گا؟! تمھیں پتا ہے میں دن میں پانچ بار کھانا کھاتا ہوں۔'' فراز نے برا سا منہ بنایا''...... اور ہاں! میں دکان پر کام بھلا کیوں کروں؟''

''دیکھو تم نہیں جاؤ گے تو بات میرے گھر تک چلی جائے گی، اور میری نوکری بھی چھوٹ جائے گی، پھر تم کیا جواب دو گے؟ ویسے بھی امی کے لیے آج دوا ضرور لے کر جانا ہے، میں بھی مجبور ہوں، تمھیں پیسے نہیں دے سکتا، پلیز!'' احمد نے التجا کی۔

'آج بھی تھی کیوں نہیں چلے جاتے شبیر پنساری کی دکان پر؟ اپنے مالک سے کہہ دینا کہ احمد بیمار تھا، اُس نے مجھے بھیجا ہے۔'' فراز نے حجت کی۔

''کیسی عجیب بات کر رہے ہو، وہ تمھیں یعنی فراز کو پہچانتا ہے کہ تم ملک اسماعیل کے بیٹے ہو۔''

''اچھا اچھا...... جاتا ہوں مگر تمھیں میرے گھر سے جا کر کھانے پینے کی چیزیں اور کچھ پیسے لا کر دینے ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، میں لے آؤں گا، اب تم جلدی جاؤ، ورنہ شبیر استاد بہت غصے ہو گا۔''

''کیوں ہو گا غصہ؟ تم اُس کے پاس کام کرتے ہو، کوئی خیرات تھوڑی لیتے ہو۔''

''تم یہ بات استاد سے ہی کہہ دینا۔'' احمد ہلکا سا مسکرایا۔

اُسی وقت آدھی چھٹی ختم ہونے کا گھنٹہ بجا تو دونوں کمرۂ جماعت کی طرف چل دیے۔ پھر چھٹی تک دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ غائب دماغی کی حالت میں تمام پیریڈ اٹینڈ کرتے رہے۔ (جاری ہے)



السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

✿ 'بچوں کا اسلام تقریباً چھے سال سے پڑھ رہا ہوں۔ میں نے بچوں کا اسلام کے لیے ایک تحریر بھیجی ہے۔ مہربانی فرما کر اسے شائع کردیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت والی لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین! (محمد حسان علی۔ لاہور)

ج: آمین وایاک۔ دیکھتے ہیں کہ تحریر قابل اشاعت ہے کہ نہیں۔

✿ شمارہ ۱۰۳۱ زبردست شمارہ تھا۔ انٹرویو کے تو کیا کہنے، بہت سیکھنے کو ملا۔ آمنے سامنے میں عائشہ صدیقہ کے خط نے میری ایک غلط فہمی دور کردی۔ ان کی طرح مجھے بھی محمد احمد آصف پر بڑا غصہ آرہا تھا کہ نام کمانے کے چکر میں سب جگہ تحریر بھیج دی، لیکن خط کا جواب پڑھ کر حقیقت معلوم ہوئی۔ اس بدگمانی پر میں محمد احمد آصف سے معافی چاہتا ہوں۔ ویسے میں نے تعلیم و تربیت اور بچوں کا اسلام میں اس روداد کا موازنہ کیا تو 'محنت' کا فرق واضح نظر آیا۔ آج کل پروفیسر محمد اسلم بیگ صاحب کی تحریریں اکثر پڑھنے کو مل رہی ہیں ماشاء اللہ! اب آئی جی صاحب کی کہانیوں کا انتظار ہے۔ چچا مائل تو اپنی آمد کا خوب ڈنکا بجا رہے ہیں۔ ان کا انداز اثر صاحب سے مختلف ہے، ویسے اثر صاحب کا بھی اک اثر ہے مگر میں تو مائل کی طرف مائل ہوں۔ ویسے اسامہ سرسری صاحب نظر نہیں آرہے کیوں؟ بچوں کا اسلام میں روز بروز انگریزی الفاظ کا اضافہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ ان پر پابندی لگادی جائے تو کیسا رہے گا۔ یہ میرا پہلا خط ہے۔ (حافظ چھاچھی۔ چھچھ اٹک)

ج: چھاچھی بھائی! پہلے تو یہ بتایئے کہ آپ نے اصل نام کیوں چھپایا؟ پھر یہ بتایئے کہ کون سے انگریزی الفاظ؟

✿ مصروفیات کی وجہ سے 'بچوں کا اسلام' الف نمبر پر تبصرہ نہ کرسکا۔ الف نمبر کی جتنی بھی توصیف کی جائے کم ہے۔ میرا تعلق دونوں میگزین سے اس وقت سے ہے جب یہ دونوں اخبار سائز میں شائع ہوتے تھے۔ حضرت اشتیاق صاحب سے کبھی کبھی خط کے ذریعے ملاقات ہوجاتی تھی، کیونکہ میرا تعلق بھی جھنگ کی تحصیل شورکوٹ سے ہے۔ ایک لکھاری کی کہانی الف نمبر میں ہے، جس نے اشتیاق صاحب کے زمانے میں بھی ایک کہانی بھیجی تھی، جو بعد میں مسروقہ ثابت ہوئی تو اشتیاق صاحب نے انھیں تاحیات بلیک لسٹ کردیا تھا۔ ایک دعا بھیج رہا ہوں۔ اسے خواتین کا اسلام الف نمبر کی زینت بنا کر ممنون فرمائیں، جسے گورنمنٹ کالج آف کامرس شورکوٹ ضلع جھنگ میں پڑھا گیا۔ اسے بھیجنے کی تحریک میری بیٹی عائشہ امبرین بنی، جو جماعت دوم کی طالبہ ہے۔ اسے الف نمبر بہت پسند آیا۔ خاص طور پر وہ حصہ جو چھوٹے بچوں کے لیے تھا۔ اس نے الف نمبر اپنی الماری میں رکھا ہوا ہے۔ گاہے گاہے نکال کر پڑھتی رہتی ہے اور مجھے بھی دعوت دیتی رہتی ہے کہ اس کا مکمل مطالعہ کرلیں، لیکن کاروباری مصروفیات کی وجہ سے چیدہ چیدہ ہی پڑھ سکا۔ 'الٰہی تیری چوکھٹ پر بھکاری بن کر آیا ہوں' پڑھ کر حیرت ہوئی کہ یہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی قوت تخلیہ کی دین ہے۔ کیا خواتین کا اسلام کا الف نمبر بھی ہزار صفحات کا ہوگا؟ (اظہر اقبال۔ لاہور)

ج: خواتین کا الف نمبر ۱۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اور قیمت ۲۵۰ روپے ہے۔ یہ شمارہ بقرعید پر شائع ہورہا ہے۔ آپ کی بھیجی دعا شامل نہیں ہوسکتی تھی، کیوں کہ شمارہ مکمل ہوچکا تھا۔ سینئر لکھاری کی بابت جو آپ نے دعویٰ کیا ہے، اس کا کوئی ثبوت ہو تو بھیجیے!

✿ شمارہ ۱۰۲۱ بہت پسند آیا۔ ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ 'تین ننھے جاسوس' ابن آس محمد کا زبردست ناول رہا۔ نیا ناول کس کا ہوگا؟ پڑھتے ہوئے بے حد مزہ آیا اور تجسس کا شوق بھی بڑھا۔ محمد شاہد فاروق کی کہانی 'حسابی کیڑا' بھی مزاح سے بھرپور تھی۔ محمد احمد کی کہانی 'میری آنکھ کھلی تو' گویا اللہ کی قدرت کا انوکھا کرشمہ ہے۔ ہمیں یہ سبق ملا کہ جب بھی سفر کے لیے نکلیں تو حفاظتی دعاؤں کا ضرور اہتمام کریں۔ اثر جون پوری کی نظم "خیر ہے" اپنے اندر بہت سی نصیحتیں سموئے ہوئے تھی۔ مختصر پر اثر میں دل پر اثر کرنے والی باتیں تھیں۔

(حبیبہ عبدالمجید۔ داتا بھٹ)

ج: نیا ناول ان شاء اللہ تعالیٰ جناب افتخار کھوکھر صاحب کا ہوگا۔

✿ بچوں کا اسلام میں ان دنوں 'تین ننھے جاسوس' چھائے ہوئے ہیں اور 'میر حجاز' بھی جناب اختر عزمی صاحب کی بہترین کاوش ہے۔ بہت ہی نرالا انداز اپنایا ہے انھوں نے۔ واقعات سیرت معلوم ہونے کے باوجود اس اسلوب سے پڑھنے میں عجیب لذت محسوس ہوتی ہے۔ (بنت اسلم۔ گلشن اقبال، کراچی)

ج: جی ہاں! اس انداز سے ایک تصویری نگاہوں میں گویا کھنچ جاتی ہے۔

✿ سلسلہ وار ناول 'تین ننھے جاسوس' بہت ہی دلچسپ ناول تھا۔ حافظ عبدالرزاق خان کی 'حاضر جوابی' نے مسکرانے پر مجبور کردیا۔ 'رمضان کے قیدی' تحریر اچھی لگی۔ ام محمد سلمان کا نام اب اکثر نظر آنے لگا ہے۔ آمنے سامنے میں تمام خطوط کے نیچے جواب دیے گئے تھے۔ جواب والے خطوط زیادہ توجہ کھینچ لیتے ہیں۔ گزشتہ شماروں میں ع، م چنیوٹ کا تبصرہ شائع ہوا جس میں یک سطری جملے نے خوش کردیا۔ 'ہوائیں' میں انوکھے انداز میں ہواؤں کا تعارف کرانے کا شکریہ۔ ہمارے بہن بھائیوں کو 'ہوائیں' کچھ خاص نہیں لگی تھی بلکہ ہمیں خود یقین نہیں تھا کہ الف نمبر میں ہمارا نام شامل ہوگا وہ بھی اس تحریر کے ساتھ۔

(انیسہ عائش۔ کوٹ رادھا کشن)

ج: آپ کی دوسری تحریروں کے مقابلے میں اگر یہ تحریر خاص نمبر کے لیے مدیر نے منتخب کی ہے تو غور کرنا چاہیے کہ اس میں کچھ تو ایسا تھا جو آپ کی دوسری تحریروں میں نہیں تھا۔

بقیہ: قربانی

ننھی ردا اپنے ننھے ننھے ہاتھ پھیلائے دعا مانگ رہی تھی۔

"پیارے اللہ میاں جی!...... امی نے کہا تھا...... ابو عید پر آئیں گے...... عید تو آگئی...... ابو ابھی تک نہیں آئے...... کل تو عید ہے نا اللہ میاں!...... اگر ابو کل تک نہیں آئے...... تو نہ میں نئے کپڑے پہنوں گی...... نہ قربانی دیکھوں گی...... سب سے ناراض ہو جاؤں گی ...... کسی سے بات بھی نہیں کروں گی ...... میرے پیارے اللہ میاں...... میرے ابو کو عید پر بھیج دو...... آپ میرے ابو کو دکھا دو...... اچھے اللہ میاں جی......!"

گھر کی فضا مکمل سوگوار تھی۔ دادا، دادی، ردا کی امی!...... سب پر گویا قیامت گزر رہی تھی۔ کسی کو کچھ نہیں معلوم تھا کہ ردا کے ابو شہید ہو گئے ہیں یا ابھی زندہ ہیں۔ انہوں نے تو عید پر آنے کا وعدہ کیا تھا مگر......!



یہ رات بھی کسی نہ کسی طرح گزر گئی۔ ردا اس رات روتے روتے سو گئی۔ صبح عید ہوئی تو ردا نے تو عید کے کپڑے پہننے اور تیار ہونے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ وہ اپنے ابو سے سخت ناراض تھی۔ اور پھر اچانک ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔

سب چونک گئے۔ ردا تو خوشی سے اچھل پڑی کہ شاید اس کے ابو آگئے۔

مگر اس کی امی نے اسے کمرے میں ہی روکا، اور خود دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دروازے پر گئیں۔

انھوں نے دروازہ کھولا اور پردے سے دیکھا تو ایک انسپکٹر اور ایک سپاہی دروازے پر تھا۔ انھوں نے ردا کی امی کو ساری صورت حال بتائی۔

ردا کی امی نے کارڈ ان کے ہاتھ سے لیا، کھول کر پڑھا، اور کارڈ واپس ان کے ہاتھ میں دے کر دھیمی آواز میں کچھ کہا اور انھیں گھر میں بلا لیا۔

ردا اپنے دادا جان کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔ پولیس انسپکٹر کو دیکھ کر سب چونک گئے۔

انسپکٹر نے ردا کو دیکھتے ہی کہا۔

اوہو...... تو آپ ہیں ردا! یہ لیجیے...... آپ کے ابو جان نے آپ کے لیے عید کارڈ بھیجا ہے...... یہ اگرچہ دیر سے پہنچا ہے...... مگر مجھے لگتا ہے کہ ٹھیک وقت پر پہنچ گیا۔ ردا نے جلدی سے عید کارڈ کھول کر دیکھا۔

دادا جان نے کارڈ پڑھ کر سنایا۔ لکھا تھا:

"میری پیاری بیٹی ردا! میں اس عید پر لازمی طور پہ گھر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ اگر کسی وجہ سے نہ پہنچ سکا تو عید کے بعد گھر ضرور آجاؤں گا...... اور پھر اپنی پیاری ردا کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا...... ٹھیک ہے...... اب مسکراؤ...... اور ہنستے ہنستے عید مناؤ! آپ سب لوگ بہت یاد آتے ہیں۔ میری طرف سے سب کو بہت بہت عید مبارک!"

اس کے علاوہ عید کارڈ پر کچھ اور نہیں لکھا تھا، صرف ردا کے ابو کا نام لکھا تھا۔

سب سمجھ گئے کہ ردا کے ابو زندہ ہیں۔ کیوں کہ شہید زندہ ہی ہوتے ہیں......!

عیدِ قربان پر یہ قربانی ردا کے سوا وہاں موجود سب کو رلا رہی تھی۔ ☆☆☆

بڑی عید، بڑی آفر

نئی کتابوں پر دھماکہ خیز ڈسکاؤنٹ

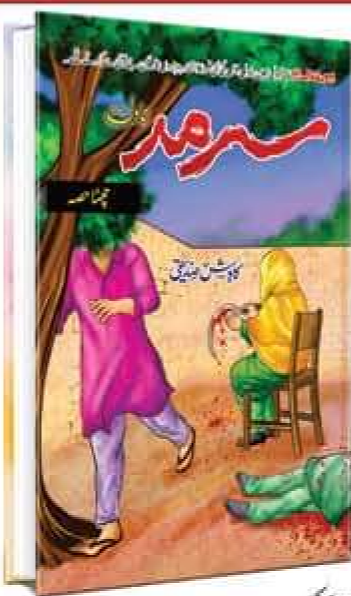
1000 روپے کے ناول بالکل مفت: اشتہار میں دیے گئے تینوں رعایتی پیکیجز اکٹھے آرڈر کرنے پر آپ کو ملیں گے بالکل نئے 8 دل چسپ، مزے دار اور حیرت انگیز ناول، ناولوں اور ان کے لکھنے والوں کے نام نہیں بتائے جا رہے، وہ آپ کے لیے سرپرائز ہیں، یہ سرپرائز آپ کے لیے، بہت ہی مزے دار ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ

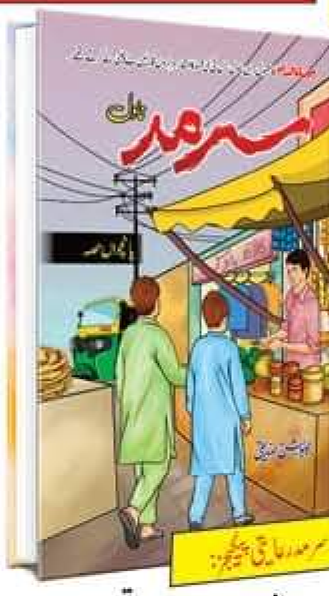
ضروری نوٹ: اس نمبر پہ کال کرنے کے بجائے صرف واٹس ایپ یا میسج کے ذریعے رابطہ کیجیے 0335-1620824

لیجیے جناب! آپ قارئین کی دیرینہ خواہش کو پورا کرتے ہوئے آخر کار کاوش صدیقی صاحب نے سرمد کو گھر پہنچا ہی دیا، سرمد سیریز کے بالکل آخری دو حصے، اس کے ساتھ ہی یہ مقبول ترین کہانی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

پُر اسرار کرداروں پر مشتمل ایک انتہائی دل چسپ، حیرت انگیز، سنسنی خیز، کلاسیکل داستان بچوں کے تخیل کو مضبوط اور وسیع کرنے کے لیے یہ ناول بے حد مفید ثابت ہوں گے۔

بچوں کا اسلام کا مقبول ترین ناول **سرمد** جس کا ہزاروں قارئین کو بے صبری سے انتظار تھا۔ سب کے ذہنوں میں ایک ہی سوال تھا: "سرمد اپنے گھر کب پہنچے گا؟"





صرف پانچواں اور چھٹا حصہ قیمت: 1800 رعایتی پیکیج: 1100

صرف آخری 4 حصے (3.4.5.6) قیمت: 3300 رعایتی پیکیج: 1980

سرمد مکمل 6 حصے: قیمت: 4700 رعایتی پیکیج: 2900

بڑی عید بڑی آفر صرف 14 اگست تک کے لیے ہیں اس لیے ابھی آرڈر کیجیے اور گھر بیٹھے حاصل کیجیے

رنگین تصاویر سے مزین کلاسک داستان کا یادگار ایڈیشن

اُردو کے نامور ادیب کا بچوں کے لیے شاہ کار ناول

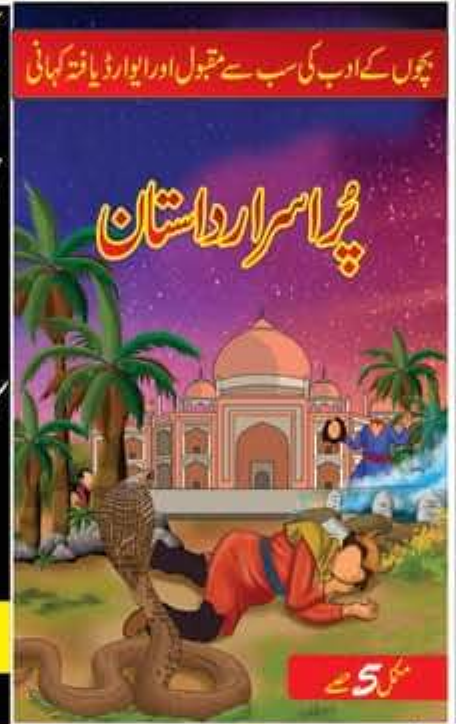
کل صفحات: 1376

قیمت مکمل 5 حصے 3750

بڑی عید بڑی آفر

صرف: 2250

بچوں کے ادب کی سب سے مقبول اور ایوارڈ یافتہ کہانی

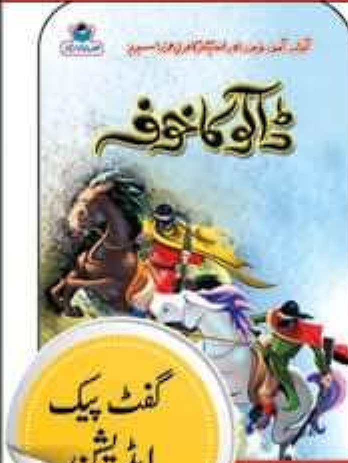


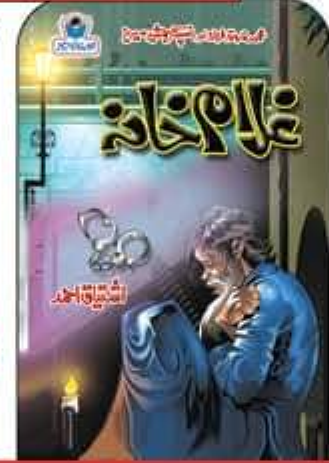
اشتیاق احمد کے سنسنی خیز، ہنگامہ آراء، مزاح اور جاسوسی سے بھرپور ناول

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید، آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کے کارنامے

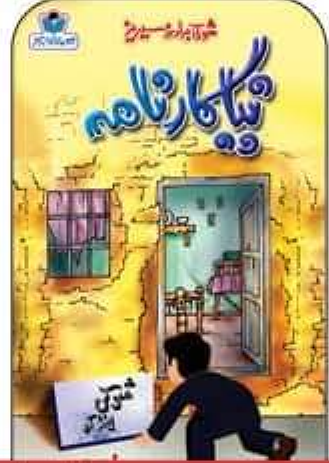
10 ناولوں کا سیٹ کل قیمت: 3000 روپے

بڑی عید بڑی آفر: 1800 روپے











آرڈر کا طریقہ: اپنی مطلوبہ کتب کے نام اور اپنا مکمل نام و پتہ اور رابطہ نمبر دیے گئے نمبر پر بذریعہ میسج یا واٹس ایپ سینڈ کر دیں، کتابیں آپ کو بھجوا دی جائیں گی۔ آپ پوسٹ مین کو روپے دے کر کتابیں وصول کر لیجیے گا





